ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 1, (Jan to Feb 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-I)urdu-11

ماخذ تحقیقی مجلہ

OPEN ACCESS

CC BY NC

رابعہ سحر
لیکچرار اردو، گورنمنٹ گریجوئیٹ کالج برائے خواتین، کبیر والا، پی ایچ ڈی اردو اسکالر، یونیورسٹی آف سدرن پنجاب، ملتان۔

پروفیسر ڈاکٹر امتیاز حسین بلوچ
صدرِ شعبہ اردو، یونیورسٹی آف سدرن پنجاب، ملتان۔

ثمینہ کوثر
لیکچرار اردو، گورنمنٹ ایسوسی ایٹ کالج برائے خواتین، میاں چنوں، پی ایچ ڈی اردو اسکالر، یونیورسٹی آف سدرن پنجاب، ملتان۔

بیسویں صدی کے تناظر میں کبیر والہ کے شعرا کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ

Rabia Saher*
Lecturer Urdu, Govt Graduate College for Women Kabirwala, PhD. Urdu Scholar, University of Southern Punjab Multan.
Prof Dr. Imtiaz Hussain Baloch
Head of Urdu Department, University of Southern Punjab, Multan.
Samina Kausar
Lecturer Urdu, Govt Associate College for women Mian Channu
PhD Urdu Scholar, University of Southern Punjab Multan.
***Corresponding Author:** rstefl900@gmail.com

A Research-Based Critical Review of the Poets of KabirWala in the Twentieth-Century Context

The twentieth century was a transformative period marked by rapid scientific, industrial, economic, and social changes that significantly reshaped human life and intellectual thought worldwide. These developments profoundly influenced literary expression, giving rise to new themes, stylistic innovations, and critical debates regarding the role and purpose of literature. Urdu literature, including the poetic tradition of Kabirwala, responded actively to these changes through

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 1, (Jan to Feb 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-I)urdu-11

ماخذ تحقیقی مجلہ

noticeable shifts in language, thematic concerns, and creative outlook.This research-based critical study explores how the twentieth-century poets of Kabirwala utilized poetry as a powerful medium to represent the political, social, and economic realities of their region. Through their poetic expressions, these poets effectively communicated local issues such as poverty, social inequality, class disparity, and religious consciousness to the public, transforming lived experiences into meaningful literary discourse. As a result, Kabirwala's poetic tradition attained a respected and dignified position within the broader framework of Urdu literature.The poetic works of Biddal Haidri, Khadim Razmi, and Sagar Mashhadi reflect key literary trends of the region, encompassing social awareness, spiritual depth, and reformative vision. Their poetry collectively addresses economic hardship, moral consciousness, and societal reform while maintaining a strong connection with cultural and religious values. Overall, the creative contributions of Kabirwala's twentieth-century poets demonstrate a synthesis of social commitment, religious devotion, human empathy, and reform-oriented thought. This study concludes that their literary legacy not only mirrors the broader cultural and intellectual movements of the twentieth century but also continues to influence contemporary poetic practices. Moreover, the ongoing poetic activity in Kabirwala indicates that Urdu poetry remains vibrant in the region and is likely to continue flourishing in the future.

Key Words: *Twentieth Century, Poets of Kabirwala, Urdu Poetry, Social Awareness, Economic hardship, Religious Thought, Na'tiya Poetry, Individual and Society, Social Reform, Creative Trends, Class Inequality, Intellectual and Cultural Changes, Regional Literature, Human Empathy, Historical and Social Context.*

بیسویں صدی کو انسانی تاریخ کی ایک نہایت اہم اور انقلابی صدی قرار دیا جاتا ہے، جس میں زندگی کے تقریباً تمام شعبوں میں ہمہ گیر تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ اس دور میں معاشرتی، اقتصادی، صنعتی اور سائنسی سطح پر جو انقلابات برپا ہوئے، انہوں نے انسانی فکر، طرزِ زندگی اور تہذیبی شعور کو یکسر بدل کر رکھ دیا۔ یہی صدی مشینی انقلاب کی بنیاد بنی، جب جدید ٹیکنالوجی، خصوصاً کمپیوٹر اور موبائل فون کی ایجاد نے انسانی زندگی میں غیر معمولی سہولتیں پیدا کیں۔ وہ کام جو پہلے انسان ہاتھوں سے دنوں میں انجام دیتا تھا، مشینوں کی مدد سے چند لمحوں میں ممکن

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 1, (Jan to Feb 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-I)urdu-11

ماخذ تحقیقی مجلہ

ہونے لگا۔ بیسویں صدی سائنسی ایجادات کے فروغ اور ٹیکنالوجی کے استعمال کی صدی تھی، جس کے اثرات عالمی جنگوں میں بھی نمایاں طور پر دیکھے گئے۔

ان انقلابی تبدیلیوں سے دنیا کا کوئی بھی ادب متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ بیسویں صدی کے ادبی شعور میں افادیت، مقصدیت اور سماجی ذمہ داری کے تصورات کو مرکزی حیثیت حاصل ہوئی، جس کے نتیجے میں ادب کے فنی، فکری، موضوعاتی اور اسلوبیاتی مباحث میں وسعت پیدا ہوئی۔ اس عہد میں ادب کی مختلف اصناف میں تنوع آیا اور نئے رجحانات نے جنم لیا۔ گویا بیسویں صدی ہر اعتبار سے ایک عہدِ انقلاب ثابت ہوئی۔ بدلتے ہوئے سیاسی اور سماجی منظر نامے نے نئی سماجی اقدار کو جنم دیا اور ادبی اذہان نے ان تبدیلیوں کو اپنے تخلیقی اظہار کا حصہ بنایا۔

اردو ادب بھی ان تغیرات سے گہرا اثر قبول کیے بغیر نہ رہ سکا۔ لسانیاتی سطح پر اردو زبان و ادب کے ڈھانچے میں نمایاں تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ فارسی کے اثرات بتدریج کم ہوتے گئے جبکہ انگریزی زبان کے اثرات بڑھنے لگے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر شمس الرحمن فاروقی تاریخ ادبیاتِ مسلمانانِ پاک وہند میں رقم طراز ہیں:

> "ملک میں سیاسی حالات کی نوعیت ایسی تھی کہ لکھنے والے حقیقی واقعات سے آنکھیں نہیں چرا سکتے تھے۔ خلافت، جلیانوالہ باغ کا قتل عام، ہندو مسلم فسادات، سائمن کمیشن کی کا مقدمہ، آزادی کا مطالبہ، ترک موالات، سول نافرمانی اور ایسے ہی دوسرے موضوعات پر برابر طبع آزمائی ہوتی رہی۔ "[1]

بیسویں صدی کے یہی سیاسی، سماجی اور فکری عوامل کبیر والا کی شعری روایت میں بھی پوری آب و تاب کے ساتھ منعکس ہوئے۔ یہاں کے شعراء نے اپنے عہد کے حالات، مسائل اور تغیرات کو نہ صرف محسوس کیا بلکہ انہیں شعری اظہار کا حصہ بھی بنایا۔ اس طرح کبیر والا کے بیسویں صدی کے شعراء کے کلام میں عصری شعور، سماجی آگہی اور فکری بالیدگی کے نمایاں نقوش دیکھے جاسکتے ہیں۔

کبیر والا کا تاریخی پس منظر:

کبیر والا، ضلع خانیوال کی سب سے بڑی تحصیل، جغرافیائی اور تاریخی اعتبار سے ایک نہایت اہم خطہ ہے۔ اس کے جنوب میں تحصیل خانیوال اور ضلع ملتان، مشرق میں تحصیل میاں چنوں اور ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ، جبکہ شمال میں اضلاع جھنگ اور مظفر گڑھ واقع ہیں۔ ملتان سے تقریباً چالیس کلو میٹر کے فاصلے پر دریائے راوی اور دریائے چناب کے سنگم کے قریب واقع یہ خطہ اپنی قدامت، تہذیبی تنوع اور تاریخی اہمیت کے باعث نمایاں مقام رکھتا

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 1, (Jan to Feb 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-I)urdu-11

ماخذ تحقیقی مجلہ

ہے۔ تاریخی شواہد اس امر کی تصدیق کرتے ہیں کہ کبیر والا اور اس کے نواحی علاقے قبل از مسیح بھی انسانی آبادیوں سے آباد اس خطے کا حصہ رہے ہیں، تاہم بیرونی حملہ آوروں کی یورش اور بالخصوص دریائی علاقے ہونے کے باعث آنے والے تباہ کن سیلابوں نے یہاں کی بیشتر قدیم آبادیوں کو بارہا نیست و نابود کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ سیلابی تباہ کاریاں بیرونی حملہ آوروں سے بھی زیادہ ہولناک ثابت ہوئیں، جن کے آثار آج بھی کبیر والا کے طول و عرض میں موجود ٹیلوں کی صورت میں دیکھے جاسکتے ہیں جنہیں مقامی طور پر ''بھڑ'' کہا جاتا ہے۔ یہ ٹیلے ماضی میں سیلاب کے دوران انسانی پناہ گاہوں کے طور پر استعمال ہوتے رہے۔ اسلامی عہد سے قبل یہ علاقہ انتظامی طور پر ملتان کے زیرِ اثر تھا، چنانچہ یہاں کوئی مرکزی شہری ڈھانچہ موجود نہ تھا بلکہ چھوٹے چھوٹے دیہات پر مشتمل ایک سادہ اور محدود سماجی زندگی رائج تھی۔

کبیر والا شہر کی بنیاد ایک صوفی بزرگ، پیر احمد کبیر بخاری المعروف بابا پیر کبیر نے رکھی، جو اسلام کی تبلیغ کے مقصد سے اس خطے میں تشریف لائے۔ خاندانی نسبت کے اعتبار سے آپ کا تعلق اُچ شریف کے ایک معروف قبیلے سے تھا۔ پیر احمد کبیر بخاری کا مزار آج بھی شہر کے وسط میں واقع ہے، جہاں روزانہ دور دراز علاقوں سے زائرین کی آمد کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ ماضی میں اس مزار کا احاطہ خاصا وسیع تھا اور ہر سال ساون کے مہینے میں یہاں ایک بڑا میلہ منعقد ہوتا تھا، جو نہ صرف مذہبی عقیدت کا مظہر ہوتا بلکہ عوام کے لیے تفریح اور معاشی سرگرمیوں کا اہم مرکز بھی تھا۔ اس میلے میں مٹی کے برتن، لکڑی اور لوہے کی بنی اشیاء سمیت گھریلو مصنوعات کی خرید و فروخت ہوتی، جو مقامی معیشت کے لیے معاون ثابت ہوتی تھیں، تاہم آبادی کے پھیلاؤ کے ساتھ ساتھ مزار کا احاطہ رفتہ رفتہ محدود ہوتا چلا گیا۔

عسکری نقطۂ نظر سے بھی کبیر والا کی اہمیت تاریخی طور پر مسلم ہے۔ یہ خطہ نہ صرف متعدد تاریخی جنگوں کا میدان رہا بلکہ مختلف عسکری مہمات کے لیے ایک اہم گزرگاہ کے طور پر بھی استعمال ہوتا رہا۔ روایت ہے کہ محمود غزنوی نے سومنات پر حملوں کے دوران اسی راستے کو اختیار کیا اور کبیر والا کی حدود میں موضع خطی چور کے مقام پر دریائے چناب کے کنارے ایک عظیم الشان فوجی پڑاؤ تعمیر کروایا، جو دفاعی لحاظ سے نہایت موزوں مقام تھا۔ مغرب میں دریائے چناب اور شمال میں دریائے راوی کے بہاؤ نے اس پڑاؤ کو قدرتی حصار فراہم کیا، جس کے باعث دشمن کے لیے رسائی مشکل ہو جاتی تھی۔

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 1, (Jan to Feb 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-I)urdu-11
ماخذ تحقیقی مجلہ

کبیر والا کے مرکزی شہر کے علاوہ اس کے نواحی قصبات بھی تاریخی اہمیت کے حامل ہیں، جن میں سرائے سدھو، سردار پور، عبدالحکیم اور مخدوم پور نمایاں ہیں۔ سرائے سدھو دریائے راوی کے کنارے واقع ایک قدیم قصبہ ہے جو قبل از مسیح آباد چلا آ رہا ہے اور سکندر اعظم کے حملوں کے زمانے میں بھی ایک معتبر بستی کی حیثیت رکھتا تھا۔ سردار پور کو انیسویں صدی کے اوائل ۱۸۱۸ء میں سکھ فرمانروا دیوان ساون مل نے عسکری ضرورتوں کے تحت ایک فصیل بند قصبے کے طور پر تعمیر کروایا، جس کا داخلی دروازہ آج بھی اس کی تاریخی عظمت کی یاد دلاتا ہے۔ تقسیمِ ہند سے قبل یہاں ہندو آبادی کی خاصی تعداد موجود تھی جو بعد ازاں بھارت کے ضلع حصار میں جا کر آباد ہو گئی۔ عبدالحکیم، جو پیر عبدالحکیم کے مزار کی نسبت سے مشہور ہے، نہ صرف ایک تاریخی قصبہ ہے بلکہ موجودہ دور میں ایک اہم تفریحی مقام بھی بن چکا ہے۔ سندھ طاس معاہدے کے بعد ۱۹۶۴ء میں یہاں دریائے راوی پر تعمیر ہونے والا بند، سدھنائی اور میلسی کینال جیسے اہم آبی منصوبوں کا سرچشمہ بنا، جب کہ کبیر والا تحصیل کا واحد ریلوے اسٹیشن بھی اسی قصبے میں واقع ہے، جو نقل و حمل کے اعتبار سے نہایت اہمیت رکھتا ہے۔

علمی، فکری اور تہذیبی اعتبار سے بھی کبیر والا ایک زرخیز خطہ رہا ہے، جہاں سے متعدد نامور شخصیات نے جنم لیا۔ سیاسی میدان میں سردار ولی محمد ہراج کا شمار ان نمایاں شخصیات میں ہوتا ہے، جو ۱۹۳۷ء اور ۱۹۴۵ء میں لیجسلیٹو اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے اور اس خطے کو مرکزی سطح پر نمائندگی دلائی۔ قیامِ پاکستان کے بعد بھی کبیر والا کی شناخت برقرار رہی، خصوصاً سید فخر امام شاہ کی صورت میں، جو اسپیکر قومی اسمبلی، چیئرمین کشمیر کمیٹی اور بعد ازاں وفاقی وزیر خوراک کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیں۔ تاریخی لحاظ سے کبیر والا کو یہ منفرد اعزاز بھی حاصل ہے کہ یہاں سے تعلق رکھنے والی دو شخصیات کو نوبل انعام سے نوازا گیا۔ ان میں ایک ڈاکٹر عبدالسلام جنھوں نے کبیر والا کے گاؤں نڑھال کے ایک سرکاری اسکول میں ابتدائی تعلیم حاصل کی، جب کہ دوسری عظیم شخصیت ہرگوبند کھورانہ ہیں، جو ۱۹۲۲ء میں کبیر والا میں پیدا ہوئے اور ۱۹۶۸ء میں طب کے شعبے میں خدمات کے اعتراف میں نوبل پرائز فار میڈیسن سے سرفراز ہوئے۔ اس طرح کبیر والا کا تاریخی و تہذیبی پس منظر نہ صرف قدامت اور تنوع کا حامل ہے بلکہ علمی، فکری اور تمدنی حوالوں سے بھی غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے۔

ذیل میں کبیر والا کے بیسویں صدی کے چند نمائندہ شعراء کے کلام کا موضوعاتی، تحقیقی اور تنقیدی جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 1, (Jan to Feb 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-I)urdu-11

ماخذ تحقیقی مجلہ

بیدل حیدری:

اردو شاعری کی تاریخ کا مطالعہ اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ بہت سے ایسے اہلِ قلم شعرا گزرے ہیں جنہوں نے ادبی مراکز سے دور رہتے ہوئے اعلیٰ درجے کا ادب تخلیق کیا، مگر اپنے عہد میں وہ شہرت اور مقبولیت حاصل نہ کر سکے جس کے وہ حقیقی معنوں میں مستحق تھے۔ ادبی تاریخ میں نظیر اکبر آبادی جیسے عظیم اور عوامی شاعر کی مثال ہمارے سامنے ہے، جنہیں محض ادبی مرکز سے دوری کے باعث اپنے زمانے میں وہ مقام حاصل نہ ہو سکا جس کے وہ اہل تھے۔ تاہم وقت گزرنے کے ساتھ ہونے والی تحقیقی کاوشوں نے نظیر اکبر آبادی کے فکری اور تخلیقی مقام کو درست تناظر میں پیش کیا اور انہیں ادبی حلقوں میں وہ پذیرائی حاصل ہوئی جو ان کا حق تھی۔ عبدالرحمن بیدل حیدری بھی اسی قبیل کے شاعر ہیں جن کی تخلیقی صلاحیتیں ادبی مراکز سے فاصلے کے باعث اپنے عہد میں پوری طرح سامنے نہ آ سکیں۔ اس ضمن میں شکیل سروش رقمطراز ہیں:

> "عموماً خیال کیا جاتا ہے کہ بیدل صاحب اگر کسی بڑے ادبی مرکز میں قیام فرما ہوتے تو شاید آج ان کی تخلیقات مختلف مدارس کے تعلیمی نصاب کا حصہ بھی قرار پا چکی ہوتی۔" [2]

بیدل حیدری ۲۰ اکتوبر ۱۹۴۰ء کو غازی آباد (بھارت) میں پیدا ہوئے۔ تقسیمِ ہند کے بعد اگست ۱۹۶۵ء میں انہوں نے پاکستان ہجرت کی اور کبیر والا میں سکونت اختیار کی، جہاں انہوں نے اپنی باقی ماندہ زندگی بسر کی۔ پیشے کے اعتبار سے وہ ایک ڈاکٹر تھے اور عملی زندگی میں طب جیسے باوقار شعبے سے وابستہ رہے۔ بیدل حیدری کی شخصیت پر تحقیق کر کے پی ایچ ڈی کی سند حاصل کرنے والے ڈاکٹر رحمت علی شاد ان کی پیشہ ورانہ زندگی کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "وہ پیشے کے لحاظ سے ڈاکٹر تھے اور ارفع کلینک پر پریکٹس کرتے تھے جہاں مریض صحت سے زیادہ مسیحانِ ادب کا ہجوم رہتا تھا۔" [3]

سماجی اعتبار سے بیدل حیدری متوسط طبقے سے تعلق رکھتے تھے اور انہوں نے اپنی پوری زندگی معاشی مسائل اور اقتصادی دباؤ کے ساتھ گزاری۔ ان کی زندگی مسلسل جدوجہد، محرومی اور عدم استحکام سے عبارت رہی۔ ان کے معاشی حالات اور ذاتی مسائل کا ذکر کرتے ہوئے کلیاتِ بیدل کے مرتب شکیل سروش لکھتے ہیں:

> "زندگی بھر وہ ہمیشہ کسی نہ کسی ابتلاء کا شکار رہے، اپنے آبائی شہر غازی آباد بھارت سے پاکستان ہجرت، کبیر والا میں مستقل اقامت کے معاملات، معاشی کسمپرسی کے عالم میں

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 1, (Jan to Feb 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-I)urdu-11

ماخذ تحقیقی مجلہ

خاندان کی کفالت کے سلسلے، سماجی روابط کی از سرِ نو تشکیل، تہذیبی و ادبی زندگی کی فعالیت کے معاملات، ذاتی زندگی میں پے در پے رونما پذیر سانحات۔[4] "

بیدل حیدری کی شاعری کا ایک بنیادی اور نمایاں موضوع معاشرے میں موجود معاشی تنگدستی اور طبقاتی ناہمواری ہے۔ چونکہ وہ خود تمام عمر اقتصادی مشکلات کا شکار رہے اور کبیر والا کے عوام کو بھی اسی کرب سے دوچار دیکھا، اس لیے ان کی شاعری میں اس موضوع کا اظہار غیر معمولی شدت، صداقت اور داخلی کرب کے ساتھ ہوا ہے۔ کبیر والا چونکہ ایک پسماندہ علاقہ ہے، جہاں ایک جانب معاشی وسائل کی کمی ہے اور دوسری طرف موجود وسائل پر جاگیر دار طبقے کی اجارہ داری قائم ہے، اس لیے یہاں کے عوام زندگی بھر مالی مشکلات کا سامنا کرتے اور محض دو وقت کی روٹی کے حصول کے لیے جدوجہد میں مصروف رہتے ہیں۔ بیدل حیدری نے ایک حساس شاعر کی حیثیت سے ان معاشرتی حقائق کو اپنی شاعری میں نہایت گہرے شعور کے ساتھ پیش کیا، جس کی ایک موثر مثال ان کا یہ شعر ہے:

بیدل لباسِ زیست ہے صد سو جگہ سے چاک
دامن رفو کریں کہ گریباں رفو کریں[5]

فکری اعتبار سے بیدل حیدری ترقی پسندانہ نظریات کے حامل تھے، تاہم بعض مذہبی معاملات میں ان کے ترقی پسند تحریک سے اختلافات بھی تھے۔ اس کے باوجود انسانیت کی فلاح، سماجی انصاف اور ظلم و جبر کے خلاف آواز بلند کرنے کے معاملے میں وہ ترقی پسند شعرا کے ہم نواد کھائی دیتے ہیں۔ وہ خود کو ایک ترقی پسند مسلمان قرار دیتے تھے۔ ان کی فکری وابستگی کے بارے میں ڈاکٹر اختر شمار رقم طراز ہیں:

"بیدل حیدری اپنے لب و لہجے سے ترقی پسندانہ سوچ کے حامل جدید اردو غزل کے نمائندہ شاعر تھے۔[6] "

بیدل حیدری کو اپنے عہد کے سماج میں موجود مسائل کا گہرا ادراک تھا، اسی لیے انہوں نے اپنی شاعری میں نہ صرف ان مسائل کو موضوع بنایا بلکہ انہیں تنقیدی شعور کے ساتھ پیش بھی کیا۔ ان کی شاعری میں بورژوا طبقہ سخت تنقید کی زد میں نظر آتا ہے۔ درحقیقت نہ صرف کبیر والا بلکہ پورے پاکستان میں امیر طبقہ غریب عوام کا استحصال کرنے کے ساتھ ساتھ خود کو ان کا مسیحا ظاہر کرتا رہا ہے۔ اسی استحصالی رویے کے خلاف حبیب جالب نے کہا تھا:

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 1, (Jan to Feb 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-I)urdu-11

ماخذ تحقیقی مجلہ

تم نے لوٹا ہے صدیوں ہمارا سکوں
اب نہ ہم پر چلے گا تمہارا افسوں
چارہ گر دردمندوں کے بنتے ہو کیوں؟
تم نہیں چارہ گر کوئی مانے مگر
میں نہیں مانتا میں نہیں جانتا[7]

بیدل حیدری بھی حبیب جالب کی طرح اس استحصالی طبقۂ امراء کو کڑی تنقید کا نشانہ بناتے ہیں جو غریب طبقے کے لیے کھوکھلی ہمدردی کا ڈھونگ رچاتا ہے۔ ان کے نزدیک جو شخص خود محرومی اور اذیت کے مرحلوں سے نہ گزرا ہو، وہ غربت اور تکلیف کی شدت کو سمجھ ہی نہیں سکتا۔ اسی احساس کو وہ اپنے ان اشعار میں نہایت سادگی اور قوت کے ساتھ بیان کرتے ہیں:

تم نہ اجڑے نہ گھروں سے نکلے
تمہیں کیا علم کہ غربت کیا ہے[8]

بیدل حیدری سماج کو ایک وحدت اور اکائی کی صورت میں دیکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک معاشرہ مختلف طبقات اور افراد کا محض مجموعہ نہیں بلکہ ایک مربوط نظام ہے، جس میں اگر کسی ایک حصے میں خرابی پیدا ہو جائے تو اس کے اثرات پورے سماجی ڈھانچے پر مرتب ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بیدل معاشرے میں موجود برائیوں کو کسی ایک فرد یا طبقے کا مسئلہ قرار دینے کے بجائے مجموعی سماجی بے حسی کا نتیجہ سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک چوری، ڈکیتی، جسم فروشی، بداخلاقی اور اس نوع کے دیگر مسائل فرد کی فطری خرابی نہیں بلکہ اس سماج کی پیداوار ہیں جو اپنے کمزور طبقات کی تربیت، تعلیم اور فلاح سے غفلت برتتا ہے۔ بیدل کی شاعری میں جگہ جگہ سماجی ڈھانچے پر سوالات اٹھائے گئے ہیں اور اجتماعی ذمہ داری کے تصور کو نمایاں کیا گیا ہے۔

بیدل کے نزدیک بچوں کی تعلیم و تربیت کا مناسب انتظام نہ ہونا محض والدین یا کسی ایک ادارے کی ناکامی نہیں بلکہ پورے سماج کا المیہ ہے، جس میں حکومت اور عوام دونوں برابر کے شریک ہیں۔ پاکستانی تاریخ میں تقریباً تمام حکومتیں بچوں کی تعلیم و فلاح کے معاملے میں اپنی نااہلی کا ثبوت دیتی رہی ہیں، مگر اس کے ساتھ ساتھ خاموش اور بے حس عوام بھی اس اجتماعی جرم سے بری الذمہ نہیں ہو سکتیں۔ بیدل اس حقیقت کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 1, (Jan to Feb 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-I)urdu-11

ماخذ تحقیقی مجلہ

بچوں کی معصومیت کو چھین کر انہیں جیب تراشی اور جرائم کی راہ پر ڈالنے والا کوئی ایک فرد نہیں بلکہ یہی معاشرہ ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

کہیں سفر میں کہیں لاریوں کے اڈوں پر
یہ میری قوم کے بچے جو جیب کاٹتے ہیں
یہ سب قصور ہمارے اس سماج کے ہیں[9]

اسی طرح بیدل ایسے معاشرے پر بھی گہری تشویش کا اظہار کرتے ہیں جہاں کسی غریب کی بیٹی کی عزت محفوظ نہ ہو، لوگ فاقہ کشی پر مجبور ہوں اور ہر طرف ظلم و جبر کا راج ہو۔ ایسے حالات میں سماج کے افراد کی خاموشی بیدل کو شدید اضطراب میں مبتلا کر دیتی ہے اور وہ اس خاموشی کو ایک بڑے جرم کے مترادف قرار دیتے ہیں۔ بیدل کے نزدیک ہمارے سماج کا ایک بڑا المیہ یہ بھی ہے کہ وسائل پر قابض طاقت ور طبقے سے سوال کرنے کے بجائے غریب کو کاہل، نالائق اور کام چور قرار دے کر تنقید کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ وہ فرسودہ سماجی اقدار کے محافظین سے نہایت تلخ مگر معنی خیز سوالات کرتے ہیں:

یہی سماج اگر ٹھیک ہے تو بات کرو
دلوں سے جذبۂ غیرت مٹا دیا کس نے
یہ تم کو خوابِ گراں میں سلا دیا کس نے[10]

بیدل حیدری پاکستانی معاشرے میں طوائفوں کے ساتھ روا رکھے جانے والے دوہرے معیار کو بھی کڑی تنقید کا نشانہ بناتے ہیں۔ ہمارے سماج میں طوائفوں پر اخلاقی حملے تو کیے جاتے ہیں، مگر ان اسباب پر غور نہیں کیا جاتا جو کسی عورت کو اس پیشے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ بیدل کے نزدیک تعلیم، روزگار اور سماجی تحفظ سے محرومی وہ بنیادی عوامل ہیں جن کی وجہ سے عورت اس انجام تک پہنچتی ہے۔ وہ اس حقیقت کو اجاگر کرتے ہیں کہ رات کے وقت ہونے والا جسم فروشی کا یہ کاروبار بلاشبہ ایک سماجی برائی ہے، مگر اس سے کہیں بڑی برائی وہ محرکات ہیں جو اس عمل کو جنم دیتے ہیں۔ بیدل کے نزدیک ان عورتوں کو طوائف بنانے والا بھی یہی سماج ہے۔ وہ کہتے ہیں:

یہ عصمتوں کی تجارت یہ رات کا بیوپار
تباہیوں کا ذریعہ نہیں تو اور کیا ہے
یہ اس سماج کا ثمر نہیں تو اور کیا ہے[11]

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 1, (Jan to Feb 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-I)urdu-11

ماخذ تحقیقی مجلہ

بیدل حیدری کی شاعری میں بچوں کی زندگی اور ان کو درپیش مسائل ایک نہایت اہم اور نمایاں موضوع کے طور پر سامنے آتے ہیں۔ عالمی سطح پر چائلڈ لیبر کے خلاف تحریک کا آغاز بیسویں صدی کے اوائل میں ہو چکا تھا، اور اگرچہ پاکستان میں بھی بچوں کی مزدوری کے خلاف قوانین موجود ہیں، مگر عملی سطح پر ان پر عملدرآمد نہ ہونے کے برابر ہے۔ مختلف رپورٹس کے مطابق پاکستان میں کروڑوں بچے آج بھی مزدوری پر مجبور ہیں۔

> شائلہ خان مطابق یہ رپورٹ اقوام متحدہ کے ادارہ برائے مزدور (آئی ایل او) کی جانب سے ۲۰۱۷ میں پیش کی گئی اور اس رپورٹ کے مطابق اقوام متحدہ کو اعداد و شمار ہی ۱۹۹۶ء کے میسر ہو سکے۔[12]

بیدل نے اس بین الاقوامی نوعیت کے مسئلے کو محض اعداد و شمار کی حد تک بیان نہیں کیا بلکہ ان مظلوم بچوں کے دکھ درد کو اپنی شاعری کے ذریعے آواز دی۔ ان کی نظم میں بچوں کی بھوک، خوف، عدم تحفظ اور موت کا کرب نہایت شدت کے ساتھ ابھرتا ہے

بھوک چہروں پہ لیے چاند سے پیارے بچے
بیچتے پھرتے ہیں گلیوں میں غبارے بچے
ان ہواؤں سے تو بارود کی بو آتی ہے
ان فضاؤں میں تو مر جائیں گے سارے بچے
کیا بھروسہ ہے سمندر کا خدا خیر کرے
سیپیاں چنے گئے ہیں مرے سارے بچے
ہو گیا چرخِ ستم گر کا کلیجہ ٹھنڈا
مر گئے پیاس سے دریا کے کنارے بچے
مظلوموں سے ناتا ہے ہمارا بیدل
سارے مظلوموں کے بچے ہیں ہمارے بچے[13]

بیدل کی شاعری میں بچوں کے ساتھ گہری وابستگی کی ایک نفسیاتی وجہ ان کے جواں سال بیٹے کی ایک ٹریفک حادثے میں ہونے والی ناگہانی موت بھی ہے۔ یہ سانحہ بیدل کی زندگی کا سب سے بڑا صدمہ ثابت ہوا، جس

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 1, (Jan to Feb 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-I)urdu-11

ماخذ تحقیقی مجلہ

کے اثرات ان کی شاعری میں جگہ جگہ محسوس کیے جاسکتے ہیں۔ اپنے بیٹے کی یاد اور اس کے غم کا اظہار وہ نہایت درد مندانہ انداز میں یوں کرتے ہیں

قبروں پہ ابھر آئے کہاں سے یہ لہو
یہ پھول تو بیدل مرے بابر کی طرح ہیں[14]

بیدل حیدری کی شاعری کا ایک اور اہم موضوع خواتین کے معاشی اور سماجی حقوق ہیں۔ انہوں نے طبقۂ امراء کی عورتوں کو درپیش نام نہاد مسائل کے بجائے محنت کش اور پرولتاری طبقے سے تعلق رکھنے والی خواتین کے حقیقی مسائل کو اپنی شاعری کا مرکز بنایا۔ بیدل اس امر کی نشاندہی کرتے ہیں کہ پاکستان میں خواتین کے حقوق کی علمبردار تحریکیں زیادہ تر مراعات یافتہ طبقے تک محدود ہیں، جو غریب عورتوں کے بنیادی مسائل، مثلاً دو وقت کی روٹی، مناسب لباس اور معاشی تحفظ کو نظر انداز کر دیتی ہیں۔ وہ خصوصاً ان بیوہ خواتین کے کرب کو اجاگر کرتے ہیں جو کم عمری میں شوہر کی وفات کے بعد بچوں کی پرورش کی ذمہ داری تنہا اٹھاتی ہیں اور جن کی محنت کو سماج مناسب اجرت اور عزت دینے کے بجائے محض رسمی ہمدردی تک محدود رکھتا ہے۔ بیدل نے اسی طبقے کے دکھ کو اپنی نظم "صبحِ عید" کا موضوع بنایا، جہاں عید جیسے خوشی کے دن کو ایک بیوہ عورت کی محرومی اور جدوجہد کے تناظر میں پیش کر کے اردو شاعری کی روایت میں ایک منفرد اور معنی خیز اضافہ کیا۔

آپ کے فراہم کردہ متن کو معنی و مفہوم، اشعار اور حوالہ جات جوں کے توں برقرار رکھتے ہوئے صرف تحقیقی، تنقیدی اور ادبی اسلوب میں وسعت، ربط اور جامعیت کے ساتھ مرتب کیا گیا۔ بیدل حیدری کی شاعری میں بین الاقوامی نوعیت کے موضوعات کی شمولیت ان کے تخلیقی شعور کی وسعت اور عالمی انسانی مسائل سے ان کی گہری وابستگی کی مظہر ہے۔ ان کا شعری کینوس محض مقامی یا علاقائی مسائل تک محدود نہیں بلکہ وہ انسانی دکھ، ظلم اور استحصال کو ایک عالمی تناظر میں دیکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری میں جہاں ایک طرف مقامی سماجی مسائل پوری شدت کے ساتھ جلوہ گر ہوتے ہیں، وہیں دوسری طرف عالمی سطح پر ہونے والے سانحات اور انسانی المیوں کو بھی موضوع بنایا گیا ہے۔ ان کی شاعری میں یہ بین الاقوامی شعور نہ کسی نعرہ بازی کی صورت اختیار کرتا ہے اور نہ محض واقعاتی بیان تک محدود رہتا ہے، بلکہ انسانی دکھ کے ساتھ ایک گہرا اخلاقی اور فکری رشتہ قائم کرتا ہے۔

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 1, (Jan to Feb 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-I)urdu-11

ماخذ تحقیقی مجلہ

اسی تناظر میں بیدل کی شاعری میں ایک عام، نیک اور گمنام عورت کا ذکر بھی نمایاں طور پر سامنے آتا ہے، جو سماج کی بے حسی اور تنہائی کا استعارہ بن جاتی ہے۔ بیدل اس کردار کے ذریعے فرد کی داخلی کربناکی اور سماج کی اجتماعی خاموشی کو نہایت سادہ مگر گہرے انداز میں پیش کرتے ہیں۔

مگر میری گلی کی ایک بی بی
خدا شاہد بڑی نیک بی بی
اکیلی جانبِ شہرِ خموشاں
پریشاں، مضمحل، حسرت بداماں
درود و فاتحہ پڑھنے چلی ہے
کہ اپنا مرثیہ پڑھنے چلی ہے[15]

یہ اشعار نہ صرف ایک فرد کی تنہائی اور محرومی کی تصویر کشی کرتے ہیں بلکہ اس سماج کی تصویر بھی پیش کرتے ہیں جہاں نیکی، سادگی اور قربانی خاموشی سے دفن ہو جاتی ہے۔ بیدل یہاں فرد کے دکھ کو اجتماعی بے اعتنائی کے آئینے میں دکھاتے ہیں۔

بیدل حیدری کے ہاں بین الاقوامی سطح کے موضوعات میں سب سے دل دہلا دینے والا حوالہ دوسری جنگ عظیم کے دوران امریکہ کی جانب سے جاپان کے شہروں ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم گرائے جانے کا ہے، جس کے نتیجے میں لاکھوں بے گناہ انسان لقمۂ اجل بنے۔ بیدل اس سانحے کو محض ایک تاریخی واقعے کے طور پر نہیں دیکھتے بلکہ اسے انسانی ضمیر پر ایک سوال کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

تعجب ہے خدائے لم یزل نے ہیروشیما پر
بشر مرتا ہوا دیکھا فلک پھر بھی نہیں ٹوٹا[16]

یہ شعر انسانی تہذیب کی بے بسی، سائنس کے مہلک استعمال اور اخلاقی زوال پر ایک گہرا طنز ہے، جس میں شاعر کائنات کی خاموشی پر بھی سوال اٹھاتا ہے۔ اسی طرح بیدل حیدری کی شاعری میں یومِ مزدور اور شکاگو کے تاریخی واقعے کا ذکر بھی ایک عالمی شعور کی علامت ہے۔ یکم مئی ۱۸۸۶ء کو شکاگو میں مزدوروں کے حقوق کے لیے ہونے والی جدوجہد، جسے خونریز تشدد کے ذریعے کچل دیا گیا، دنیا بھر میں مزدور تحریک کی بنیاد بن گئی۔ بیدل نے اس تاریخی ظلم کو اپنی نظم "سرخ غزل" کے عنوان سے یاد کیا اور مزدور طبقے کی قربانیوں کو خراجِ تحسین پیش کیا

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 1, (Jan to Feb 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-I)urdu-11

ماخذ تحقیقی مجلہ

اک سرخ غزل سنیئے، بعنوان شکاگو
کرنا ہے مجھے ذکر شہیدانِ شکاگو
مزدور کا ذہن اتنا مسلح نہ تھا پہلے
پائندہ و تابندہ، دبستانِ شکاگو
مزدور کی آواز کبھی دب نہیں سکتی
چھپ سکتا نہیں خونِ شہیدانِ شکاگو
بیدل مرے آنگن میں کہاں دھوپ اترتی
ہوتا نہ اگر چاک، گریبانِ شکاگو[17]

یہ اشعار مزدور کے شعور، مزاحمت اور جدوجہد کی علامت بن کر سامنے آتے ہیں اور اس حقیقت کو اجاگر کرتے ہیں کہ ظلم وقتی طور پر دبایا جا سکتا ہے، مگر انصاف اور حق کی آواز ہمیشہ زندہ رہتی ہے۔

بیدل حیدری کی شاعری میں بین الاقوامی موضوعات کی ایک اور اہم مثال ویت نام کی جنگ ہے، جو بیسویں صدی کی طویل ترین اور تباہ کن جنگوں میں شمار ہوتی ہے۔ اس جنگ میں طاقتور ممالک کے مفادات کی خاطر بے شمار بے گناہ انسانوں کی جانیں ضائع ہوئیں، مگر بیدل کی ہمدردی مظلوم عوام کے ساتھ رہی۔ انہوں نے نظم "روایت" میں ویت نام کے عوام کی جدوجہد، قربانی اور بالآخر فتح کو یوں بیان کیا

سینۂ ویت نام پر برسوں
اور نہتے عوام پر برسوں
روز نیپام بم گرائے گئے
رات دن ظلم ڈھائے گئے
لیکن انسان تھا کہ مر نہ سکا
موت کے غار میں اتر نہ سکا
کٹ گئے غم کے ماہ و سال آخر
ظلم کو آ گیا زوال آخر
جذبۂ انتقام جاگ اٹھا

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 1, (Jan to Feb 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-I)urdu-11

ماخذ تحقیقی مجلہ

آخرش ویت نام جاگ اٹھا
زیست بڑھ کر اجل سے ٹکرائی
فتح کی روشنی نظر آئی
آزمائش کا دور بیت گیا
اور میرا ویت نام جیت گیا[18]

یہ نظم مظلوم اقوام کی جدوجہد، حوصلے اور استقامت کی علامت بن جاتی ہے اور یہ ثابت کرتی ہے کہ ظلم کتنا ہی شدید کیوں نہ ہو، انسانی ارادہ بالآخر اس پر غالب آ جاتا ہے۔ مجموعی طور پر بیدل حیدری کی شاعری موضوعاتی تنوع اور فکری وسعت کی حامل ہے۔ ان کے کلام میں بے روزگاری، افلاس اور معاشی محرومی کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، جس کی جڑیں ان کی ذاتی زندگی کے تجربات اور مشاہدات میں پیوست ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کی شاعری میں طبقاتی ناہمواری، عدل و انصاف کے دوہرے معیار، علاج معالجے کی سہولیات کا فقدان، غربت میں پلتے بچے، عالمی سطح پر ہونے والے مظالم اور مزدوروں کے حقوق جیسے اجتماعی انسانی مسائل کو نہ صرف بیان کیا گیا ہے بلکہ ان کے اسباب اور محرکات پر بھی شعوری انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس طرح بیدل حیدری کی شاعری محض جذباتی ردِ عمل نہیں بلکہ ایک باخبر، حساس اور ذمہ دار ذہن کی تخلیقی کاوش کے طور پر سامنے آتی ہے۔

خادم رزمی

کبیر والا کی شعری روایت میں خادم حسین المعروف خادم رزمی کا نام ایک ایسے اہم ادبی گھرانے کی حیثیت رکھتا ہے جس کے بغیر اس خطے کی ادبی تاریخ کا بیان نامکمل رہتا ہے۔ خادم رزمی اور ان کے فرزند رشید طرابی دونوں ہی کبیر والا کے ان نمایاں شعرا میں شامل ہیں جنہوں نے مقامی شعری روایت کو فکری گہرائی اور فنی استحکام عطا کیا۔ خادم رزمی ۲ فروری ۱۹۳۲ء کو کبیر والا کے نواحی گاؤں محمود والا میں ایک غریب کسان کے گھر پیدا ہوئے۔ ان کا بچپن شدید معاشی تنگدستی اور محرومیوں میں گزرا، جس کے اثرات نہ صرف ان کی شخصیت بلکہ ان کی شاعری میں بھی واضح طور پر محسوس کیے جاسکتے ہیں۔ خود خادم رزمی نے اپنی ابتدائی زندگی کے اس تجربے کو نہایت شعوری انداز میں بیان کیا ہے:

> "میرا پہلا کشف اس سلگاؤ کا ہے جو میرے والد (کہ ایک کسان مزدور تھے) کی باوجود دیانتدارانہ شب و روز کی محنت و سعی کے، مسلسل مفلسی اور تنگ حالی سے میرے رگ و پے

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 1, (Jan to Feb 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-I)urdu-11

ماخذ تحقیقی مجلہ

میں سرایت ہوا، اور اس میں مزید شدت اس محرومی سے جب میں انٹر میڈل پاس کرنے کے بعد اپنی تعلیم جاری رکھنے کی خواہش کو پورا نہ کر سکا۔ اور اسی محرومی سے جو براہ راست میری روح کا زخم بنی، مجھے اپنے ارد گرد پھیلی محرومیوں کا کشف ہوا " [19]

یہ اقتباس خادم رزمی کی شاعری کی فکری بنیاد کو واضح کرتا ہے، جہاں ذاتی محرومی اجتماعی شعور میں ڈھل کر سماجی احساس کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔

معاش کے حصول کے لیے خادم رزمی نے ابتدا میں اپنے آبائی پیشے زراعت کو اپنایا، مگر بعد ازاں اسے ترک کر کے شعبۂ تعلیم سے وابستہ ہو گئے۔ بطور جے وی مدرس انہوں نے کبیر والا کے مختلف قصبات میں خدمات انجام دیں اور ایک طویل تدریسی زندگی کے بعد ۱۹۹۱ء میں گورنمنٹ ماڈل مڈل اسکول دارالعلوم کبیر والا سے سبکدوش ہوئے۔ ان کی یہ عملی زندگی بھی ان کی شاعری کی فکری تشکیل میں اہم کردار ادا کرتی ہے، کیونکہ تدریس اور دیہی معاشرت سے قربت نے ان کے شعور کو زمین سے جوڑے رکھا۔

خادم رزمی کے نزدیک شاعری محض تفریح یا شوق نہیں بلکہ ایک داخلی مراقبہ اور کشف کی صورت رکھتی ہے۔ انہوں نے ۱۹۵۴ء میں باقاعدہ شعر گوئی کا آغاز کیا اور مولوی فضل دین اور لالہ رام لعل جیسے اساتذہ سے رہنمائی حاصل کی، جس سے ان کے شعری ذوق کو سمت اور استحکام ملا۔ اس کے علاوہ صادق سرحدی، جعفر علی خان، اسلام صابر دہلوی، دلگیر جالندھری، ڈاکٹر مہر عبدالحق، کیفی جامپوری، وفا حجازی، اسماعیل نور، بیدل حیدری، ساغر مشہدی، عاصی کرنالی، جعفر طاہر اور ضیغم شمیروی جیسے اہم شعرا کی صحبت اور محبت نے ان کی ادبی و فکری صلاحیتوں کو مزید نکھارا۔ ضلع خانیوال میں منعقد ہونے والی ادبی محفلوں اور مشاعروں نے بھی ان کی شعری تربیت میں نمایاں کردار ادا کیا، جیسا کہ خود خادم رزمی لکھتے ہیں:

" بزمِ ادب تلمبہ اور بزمِ اقبال میاں چنوں کے زیر اہتمام ہونے والے مشاعروں نے ابتدائی شعری و ادبی تربیت میں بنیادی کام کیا۔"[20]

ادبی خدمات کے اعتبار سے خادم رزمی نے نہ صرف تخلیقی بلکہ تحقیقی کام بھی انجام دیا۔ ۱۹۷۲ء میں انہوں نے کبیر والا کے زندہ و مرحوم شعرا کا انتخاب مع اجمالی خاکہ مرتب کیا۔ ان کا اردو مجموعہ کلام "زیرِ خواب" ۱۹۹۱ء میں شائع ہوا جبکہ پنجابی مجموعہ کلام "من ورتی" ۱۹۹۴ء میں منظرِ عام پر آیا۔ اس کے علاوہ پنجابی مجموعہ "اساں آپے اُڈن ہارے ہو" بھی ان کی تخلیقی کاوشوں میں شامل ہے۔ پنجابی شاعری پر انہیں اکادمی ادبیات پاکستان

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 1, (Jan to Feb 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-I)urdu-11

ماخذ تحقیقی مجلہ

کی جانب سے وارث شاہ ہجرہ ایوارڈ (۱۹۹۴ء) اور خواجہ فرید ایوارڈ (۱۹۹۸ء) سے نوازا گیا۔ ۲ جنوری ۲۰۰۶ء کو یہ درخشاں ادبی ستارہ دنیا سے رخصت ہو گیا۔

خادم رزمی کی شاعری میں مذہبی احساس کو نمایاں مقام حاصل ہے۔ ان کے مجموعہ کلام ازیرِ خواب کی ابتدائی غزلیں حمد و نعت پر مشتمل ہیں۔ اگرچہ انہوں نے تمام عمر معاشی مسائل اور محرومیوں کا سامنا کیا، مگر ان کے ہاں ناامیدی کی بجائے توکل، یقین اور دعا کا عنصر غالب نظر آتا ہے

میں جب گھرا ہوں مصائب کی انتہا میں کبھی
مری نگاہ گئی، ناگہاں اسی کی طرف
کوئی بھی رت ہو وہی آسرا ہے میرا
یقین اس کے لیے ہر گماں اسی کی طرف
اس کی طرف سے آئند گاں نے آنا ہے
سبھی گئے ہیں مرے رفتگاں اسی کی طرف[21]

خادم رزمی کی شاعری کبیر والا اور اس کے گرد و نواح کی تہذیب، رسوم و رواج اور سماجی اقدار کی حقیقی نمائندہ ہے۔ وہ شاعری کو زمینی حقائق سے کٹا ہوا عمل نہیں سمجھتے بلکہ اسے زندگی کے تجربات کا سچا اظہار قرار دیتے ہیں۔

" میں نے اپنے گھر اور اس کے مٹی، ماحول میں ہوش سنبھالنے سے اب تک کے اپنے مراقبے میں جو کچھ دیکھا اور پایا، اسے دیانت داری سے شعر کا لباس پہنا دیا۔"[22]

احساسِ محرومی ان کی شاعری کا بنیادی موضوع ہے، جس کا اظہار مختلف سطحوں پر ہوتا ہے:

میں آسمان کی طرف جب بھی ہاتھ پھیلاؤں
زمین دینے لگے طعنِ بے وفائی مجھے[23]
وہی جو موجِ رواں سے رکھتا ہے ربط اپنا
کبھی تو وہ ابرِ مہرباں ہو، مرے تھلوں پر[24]
چار سو کرتے مکانوں کا ہو شور جہاں
ایک ہی سمت وہاں دھیان کہاں رکھا جائے[25]

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 1, (Jan to Feb 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-I)urdu-11

ماخذ تحقیقی مجلہ

قیامِ پاکستان کے بعد پیدا ہونے والے سماجی و سیاسی حالات نے جہاں اجتماعیت کو فروغ دیا، وہیں فرد کے مسائل نے بھی شدید نفسیاتی دباؤ پیدا کیا۔ خادم رزمی کی شاعری اسی عہد کی نمائندہ ہے، جہاں سماجی کل کے ساتھ ساتھ فرد کی داخلی کیفیات بھی بھرپور انداز میں سامنے آتی ہیں

لہو میں اک حشر بپا ہے تمازتوں کا
اگرچہ برفابِ رَت سے لہجے ٹھٹھر رہے ہیں[26]

ان کے ہاں احساسِ محرومی کسی قسم کی خود ترحمی میں نہیں ڈھلتا بلکہ سماجی و سیاسی نظام پر سوال بن کر ابھرتا ہے

اگرچہ نیت بازار بھی یہی تھی مگر
بنا گئیں ہمیں ارزاں، ضرورتیں اپنی[27]

کئی رتوں سے مری تشنگی پکارتی ہے
کہاں ہیں ابر ترے، کس طرف سمندر ہیں[28]

ریت کو دریا سمجھ کر لپکتے ہیں ہم
اس سے اندازہ لگالو کس قدر پیاسے ہیں ہم[29]

اس سحر نے بھی نجانے نور بانٹنا ہے کہاں
اپنے گھر میں تو اندھیروں کے سوا کچھ بھی نہیں[30]

خادم رزمی کی شاعری میں فرسودہ مذہبی تصورات کے خلاف ایک فکری مزاحمت بھی دکھائی دیتی ہے، جو عوام کو تقدیر کے نام پر مفلوج کرنے والے رویوں کے خلاف ہے

میرے لیے اس خدا کی پوجا محال ہے
کہ منحصر ہے وقار جس کا عبادتوں پر[31]

واہمہ ہے آسماں سے صبح اترے گی کوئی
خواب یہ جس نے بھی دیکھا دیکھتا رہ جائے گا[32]

تا کجا چاٹے گی اندھی بھوک پھولوں کا بدن
ربِ دو عالم! کہاں تک دیکھتا رہ جائے گا[33]

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 1, (Jan to Feb 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-I)urdu-11

ماخذ تحقیقی مجلہ

انسانی مسائل اور ظلم و استحصال کا بیان بھی خادم رزمی کی شاعری کا نمایاں وصف ہے:

یہ اور بات پرندے شجر سے باہر ہیں
شکاریوں کو مگر ان کے گھر میسر ہیں[34]

شکریہ اے تلخیِ حالات! موجِ بلا
تو نے ہر اپنے پرائے سے شناسا کر دیا[35]

تلاشِ رزق میں گھر سے گئے پرندوں پر
کھلا ہوا کہیں گونگے قفس کا باب بھی ہے[36]

ان کے ہاں سفر، مسافت، دشت اور رہگزر جیسے استعارے زندگی کی جدوجہد کی علامت بن جاتے ہیں۔

اس ضمن میں مرتضیٰ برلاس لکھتے ہیں کہ:

خادم رزمی کی شاعری کے عناصر ترکیبی میں سفر دھوپ اور تھکن سب سے نمایاں ہیں۔
ان کی تمام شاعری دراصل ایک ایسے مسافر کی داستان ہے جو نسل در نسل سایہ کی تلاش میں
ہے"[۳۷]

اس کیفیت کا اظہار ان اشعار میں نمایاں ہے

کوئی شجر ہے سرِ رہ، نہ شہر و باب مرا
سفر میں آنکھ کھلی اور سفر ہے خواب مرا[38]

ہوا کو سونپ نہیں اپنے نقشِ پا سارے
کوئی تو حرفِ مسافت ہو! رہگزر اپنا[39]

مجموعی طور پر خادم رزمی کی شاعری انسان اور انسانی اقدار کی شاعری ہے، جس کا رشتہ آسمان سے کم اور زمین سے زیادہ جڑا ہوا ہے۔ ان کے ہاں عشق کا روایتی تصور بھی موجود ہے، مگر وہ زندگی کی تلخ حقیقتوں، سماجی ناہمواریوں اور انسانی دکھ کے سامنے ثانوی حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔ اس طرح خادم رزمی کبیر والا کی شعری روایت میں ایک ایسے شاعر کے طور پر سامنے آتے ہیں جو فکر، احساس اور شعری دیانت کے ساتھ اپنے عہد کی ترجمانی کرتا ہے۔

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 1, (Jan to Feb 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-I)urdu-11

ماخذ تحقیقی مجلہ

حکیم ساغر مشہدی

کبیر والا کی ادبی روایت میں چند نام ایسے ہیں جنہوں نے محدود وسائل اور کم اشاعت کے باوجود اپنے فکری وقار اور تخلیقی شعور کے باعث شناخت حاصل کی۔ حکیم ساغر مشہدی کا شمار بھی انہی شعرا میں ہوتا ہے۔ ساغر مشہدی کا اصل نام سید محمد ظفر علی تھا اور ان کے والد سید علی امیر شاہ تھے۔ وہ ۱۹۴۷ء کی تقسیم کے بعد ضلع جالندھر کے قصبہ سید پور سے ہجرت کر کے پاکستان آئے۔ عملی زندگی میں انہوں نے گورنمنٹ طبیہ کالج بہاولپور سے طب کی تعلیم حاصل کی اور شعبۂ طب سے وابستہ رہے۔ ان کی ملازمت کا بڑا حصہ سول ہسپتال میلسی میں گزرا۔ شاعری ان کے لیے محض ذوق نہیں بلکہ اظہارِ فکر کا ذریعہ تھی، جس کا آغاز انہوں نے نسبتاً ابتدائی عمر میں کر دیا تھا۔

ساغر مشہدی کا مطبوعہ کلام بنیادی طور پر ایک نعتیہ مسدس "ماہی" پر مشتمل ہے۔ اگرچہ یہ تصنیف حجم میں مختصر ہے، تاہم فکری اعتبار سے خاصی وسعت رکھتی ہے۔ اس مسدس کے حوالے سے معروف ناقد عاصی کرنالی لکھتے ہیں کہ:

> "یہ ایک نعتیہ نظم ہے جو بطور مسدس کہی گئی ہے۔ مسدس کا رواج ہماری شاعری میں مرثیہ کے حوالے سے دیر سے ملتا ہے مد و جزر اسلام پہلی نعتیہ مسدس ہے جس نے شہرت عام اور بقائے دوام پائی اور ملت اسلام کو نشاۃ ثانیہ کے لیے ذہنی و فکری طور پر آمادہ کیا۔ حالی کو یہ انفرادیت و امتیاز بھی حاصل ہے کہ انہوں نے نعت کو ایک مقصدی صنف بنایا اور سیرت طیبہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلے سے مسلمانوں کے باطنی اور قلبی معاملات کو قوی بعض آفرین کرنے کا فرض ادا کیا۔ "ماہی" مسدس حالی کے نقش قدم بلکہ نقش قلم کا ایک پرتو ہے جس پر شاعر کے اپنے افکار اور اپنی اسلوب کی چھاپ ہے یعنی اس میں ہیت اور ظاہری فنی سانچے کی تقلید ہے ورنہ اپنی تخلیقی وسعتوں میں یہ تقلید کے دائروں کو توڑ کر پھیلتی نظر آتی ہے"۔[۴۰]

مسدس کا آغاز عہدِ حاضر کے انسان کی فکری اور اخلاقی زبوں حالی سے ہوتا ہے۔ ساغر مشہدی کے نزدیک جدید انسان دولت کی ہوس میں زندگی کے اصل مقصد کو فراموش کر چکا ہے۔ معاشرے میں انسانی قدر و قیمت کا پیمانہ دولت بن گیا ہے، جس کے نتیجے میں اخلاق، خلوص اور دانش ثانوی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔ اس ذہنی انتشار اور اخلاقی زوال کی تصویر کشی شاعر مسدس کے پہلے بند میں اس طرح کرتا ہے۔

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 1, (Jan to Feb 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-I)urdu-11

ماخذ تحقیقی مجلہ

غم ہے بہت کہ غم کا مداوا کوئی نہیں
زندہ ہیں لوگ ایسے کہ زندہ کوئی نہیں
زر کی ہوس ہے مقصد اعلیٰ کوئی نہیں
دل میں خلوص عشق کا جذبہ کوئی نہیں
ہر شخص زر کی بھول بھلیوں میں کھو گیا
گویا یہ عہد، عہد خرابات ہو گیا[41]

تاریخِ انسانی اس بات کی گواہ ہے کہ دولت اور طاقت کی ہوس ہمیشہ ظلم و جبر کا سبب بنی ہے۔ وسائل پر قبضے کی خاطر جنگیں ہوئیں، انسان مارے گئے اور معاشروں میں عدم مساوات نے جنم لیا۔ یووال نوح ہراری اپنی کتاب Sapiens میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"Imagine that 3000 years ago one tribe defeated its neighbor and expelled it from grounds" [42]

ساغر مشہدی اس تاریخی تناظر کو مذہبی اور اخلاقی علامتوں کے ذریعے پیش کرتے ہیں اور زر کو ہر برائی کی جڑ قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک زر ہی شمر، یزید اور ابنِ زیاد کی علامت ہے اور یہی زر فرعونیت اور قارونیت کو جنم دیتا ہے:

زر شمر ہے، یزید ہے، ابن زیاد ہے
زر دشنۂ امان ہے، ابلیس زاد ہے
زر بغض ہے، حسد ہے، نفاق و عناد ہے
زر نفرتوں کی آگ ہے، شر ہے، فساد ہے
زر، اہتمام ہستی عالم کا ہے عدو
فرعونیت کا دوست ہے، قاروں کی آرزو[43]

مسدس میں آگے چل کر شاعر تاریخِ انسانی کو بعثتِ رسول ﷺ تک لے آتا ہے اور بعثت سے قبل اور بعد کے عرب معاشرے کا تقابلی جائزہ پیش کرتا ہے۔ بعثت سے قبل کا عرب معاشرہ ظلم، جبر اور اخلاقی پستی کی تصویر تھا، جہاں معصوم بچیوں کو زندہ درگور کیا جاتا تھا، غلاموں کو انسان نہیں سمجھا جاتا تھا اور بدکاری و شراب نوشی عام

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 1, (Jan to Feb 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-I)urdu-11

ماخذ تحقیقی مجلہ

تھی۔ رسولِ اکرم ﷺ کی آمد کے بعد یہی معاشرہ انسانیت، عدل اور اخلاقی اقدار کا علمبردار بن گیا۔ اس تبدیلی کو ساغر مشہدی نہایت مؤثر انداز میں بیان کرتے ہیں:

گوہر نے دی صدا تو صدف بولنے لگا
انسانیت کا عز و شرف بولنے لگا
حق کا نقیب چاروں طرف بولنے لگا
گویا زمین پہ حق کا خلف بولنے لگا
دھرتی پہ شاہ خلد جوں ہی خیمہ زن ہوئے
مرجھا گئے جو پھول وہ بھی خندہ زن ہوئے[44]

یوں "ماحی" مسلمانوں کے عروج و زوال کی داستان بن کر سامنے آتا ہے۔ آغاز میں انسانی مسائل، درمیان میں بعثتِ رسول ﷺ اور اسلامی اقدار کا بیان اور اختتام پر دوبارہ عہدِ حاضر کے مسائل کی نشاندہی کی گئی ہے۔ شاعر کے نزدیک ان تمام مسائل کا حل سنتِ رسول ﷺ کی پیروی میں ہے۔ جب مسلمان حرص و ہوس ترک کر کے راہِ ہدایت پر قائم رہے تو دنیا میں عزت و کامیابی ان کا مقدر بنی، اور جب انہوں نے دنیاوی مال کو مقصد بنا لیا تو ذلت نے انہیں گھیر لیا۔

رنگینی حیات کے سامان کس لئے
نازل ہوئے ہیں زیست کے فرمان کس لیے
اترا دل رسول پہ قرآن کس لیے
اسلام کس لئے ہے یہ ایمان کس لیے
انسان دور ہے راہ فلاح سے
رغبت ہے صرف اس کو گناہ مباح سے[45]

ساغر مشہدی کا "ماہی" کے علاوہ کوئی مکمل مجموعہ شائع نہ ہو سکا، اگرچہ "سرنور"، "قوتِ پروردگار" اور "آگ میں پھول" جیسے مجموعوں کے زیرِ طبع ہونے کا ذکر ملتا ہے۔ تاہم نثار ساجد کی مرتب کردہ کتاب "جب میر از کر ہوا" میں ان کی چند غزلیں شامل ہیں۔ ان غزلوں میں بھی انسان دوستی، سماجی ذمہ داری اور استحصالی سوچ کے خلاف احتجاج نمایاں ہے۔

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 1, (Jan to Feb 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-I)urdu-11

ماخذ تحقیقی مجلہ

مشکل ہی صحیح ایسا میں کرنے نہیں دوں گا
بھوکا میں کسی شخص کو مرنے نہیں دوں گا
تنکے کی طرح دشت مسافت میں ہو پھر بھی
شیرازۂ ہستی کو بکھرنے نہیں دوں گا
جب رہبری کرنی ہے مجھے شہر انا کی
میں قافلے کو رہ میں ٹھہرنے نہیں دوں گا[46]

ان کی شاعری میں ظلم کے خلاف بغاوت کا عنصر بھی واضح ہے۔ وہ زر پرست طبقے کو خبر دار کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

اے قصر سیم و زر کے خداؤ، سنبھل چلو
دل مائلِ جنونِ بغاوت ہے ان دنوں[47]

اس کے ساتھ ساتھ ساغر مشہدی کی شاعری میں عشق و محبت کا روایتی رنگ بھی ملتا ہے۔ اگرچہ اس موضوع میں انہوں نے کوئی نمایاں جدت پیدا نہیں کی، تاہم زبان اور اسلوب میں عصرِ حاضر کے اثرات محسوس کیے جاسکتے ہیں۔

چن چن کر انہیں رکھ لوں گا دیدۂ تر میں
تاروں کو زمیں پر بکھرنے نہیں دوں گا[48]
میں نے بصد خلوص یہ اعلان کر دیا
جاری زمیں پر عشق کا فرمان کر دیا[49]

مجموعی طور پر ساغر مشہدی کی شاعری مذہبی شعور، انسانی ہمدردی اور سماجی اصلاح کے جذبے سے عبارت ہے۔ نبی کریم ﷺ سے محبت، اسلامی اقدار سے وابستگی اور ظلم کے خلاف احتجاج ان کی شاعری کے نمایاں پہلو ہیں۔ اگرچہ ان کا اصل میلان نظم، خصوصاً نعتیہ نظم کی طرف ہے اور غزل میں فنی تسلسل بعض اوقات صنفی تقاضوں پر حاوی ہو جاتا ہے، تاہم فکری خلوص اور مقصدیت انہیں کبیر والا کی شعری روایت میں ایک معتبر مقام عطا کرتی ہے۔

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 1, (Jan to Feb 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-I)urdu-11

ماخذ تحقیقی مجلہ

حوالہ جات

۱ شمس الرحمن فاروقی، ڈاکٹر، تاریخ ادبیات مسلمانان پاک وہند (جلد ۱۰)، مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی، ص ۳۰

۲ شکیل سروش، میرے استاد جی، مشمولہ، کلیات بیدل، مرتب، شکیل سروش بی پی ایچ پرنٹرز، لاہور، ۲۰۱۵ء، ص ۴

۳ رحمت علی شاد، ڈاکٹر، مضمون، مجھے یقین ہے میں زندہ رہوں گا ذہنوں میں، مشمولہ، کتے ٹھہر گئے، کلیات بیدل، ص ۱۱

۴ تشکیل سروش، مضمون، میرے استاد جی، مشمولہ، کلیات بیدل، ص ۳

۵ بیدل حیدری، میری نظمیں، مشمولہ، کلیات بیدل، ص ۶

۶ اختر شمار، ڈاکٹر، مضمون، بیدل حیدری کی یاد میں، مشمولہ، روزنامہ دنیا، کراچی ۱۲ مارچ ۲۰۱۴ء ص ۱۶

۷ حبیب جالب، کلیات حبیب جالب، جاوید پبلشرز، لاہور، ۱۹۹۳ء، ص ۱۲۹

۸ بیدل حیدری، میری نظمیں، مشمولہ، کلیات بیدل، مرتب، شکیل سروش، بی پی ایچ پرنٹرز، لاہور، ۲۰۱۵، ص ۱۴

۹ بیدل حیدری، میری نظمیں، مشمولہ، کلیات بیدل، ص ۷

۱۰ ایضاً، ص ۷

۱۱ ایضاً، ص ۷

۱۲ شمائلہ خان، پاکستان میں چائلڈ لیبر کا شیطانی چکر، مشمولہ: بی بی سی اردو، کراچی، ۱۳ اپریل ۲۰۱۷ء

۱۳ بیدل حیدری، میری نظمیں، مشمولہ: کلیاتِ بیدل، مرتب: شکیل سروش، بی بی ایچ پرنٹرز، لاہور، ۲۰۱۵ء، ص: ۱۷–۱۸۔

۱۴ بیدل حیدری، پشت پہ گھر، مشمولہ: کلیاتِ بیدل، ص ۱۰۲ ۔

۱۵ بیدل حیدری، میری نظمیں، مشمولہ: کلیاتِ بیدل، ص ۱۳ –۱۴۔

۱۶ بیدل حیدری، میری نظمیں، مشمولہ: کلیاتِ بیدل، ص ۲۹۔

۱۷ ایضاً، ص ۳۳ ۔

۱۸ ایضاً، ص ۹ –۱۰ ۔

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 1, (Jan to Feb 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-I)urdu-11

ماخذ تحقیقی مجلہ

۱۹ خادم رزمی، زر خواب، خالدین پوسٹ بکس، لاہور، ۱۹۹۱ء، ص ۱۵ ۔

۲۰ ایضاً، ص :۱۸ ۔

۲۱ خادم رزمی، زر خواب، خالدین پوسٹ بکس، لاہور، ۱۹۹۱ء، ص ۲۱ ۔

۲۲ ایضاً، ص :۱۶۔

۲۳ ایضاً، ص۔ ۲۶

۲۴ ایضاً، ص۔۴۱

۲۵ خادم رزمی، مشمولہ: جب مرا ذکر ہو، مرتب: نثار ساجد، مثال پبلشرز، فیصل آباد، طبع دوم، ۲۰۰۵ء، ص ۶۶۔

۲۶ خادم رزمی، زر خواب، خالدین پوسٹ بکس، لاہور، ۱۹۹۱ء، ص ۳۹

۲۷ ایضاً، ص۔۴۳

۲۸ ایضاً، ص۔ ۸۹

۲۹ ایضاً، ص۔۴۵

۳۰ ایضاً، ص۔۵۹

۳۱ ایضاً، ص۔۴۲

۳۲ ایضاً، ص۔۸۶

۳۳ خادم رزمی، مشمولہ: جب مرا ذکر ہو، مرتب: نثار ساجد، مثال پبلشرز، فیصل آباد، طبع دوم، ۲۰۰۵ء، ص۔۶۶۷

۳۴ خادم رزمی، زر خواب، خالدین پوسٹ بکس، لاہور، ۱۹۹۱ء، ص۔۴۴

۳۵ ایضاً، ص۔۵۷

۳۶ ایضاً، ص۔۶۴

۳۷ مرتضیٰ برلاس، فلیپ، زر خواب، خالدین پوسٹ بکس، لاہور، ۱۹۹۱ء۔

۳۸ خادم رزمی، زر خواب، خالدین پوسٹ بکس، لاہور، ۱۹۹۱ء، ص۔۶۵

۳۹ ایضاً، ص۔۲۶۳

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 1, (Jan to Feb 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-I)urdu-11

ماخذ تحقیقی مجلہ

۴۰ عاصی کرنالی، مضمون مشمولہ: ماحی، مکتبہ اہلِ قلم، ملتان، ۱۹۸۵ء، ص۔ ۶۔۷

۴۱ ساغر مشہدی، ماحی، مکتبہ اہلِ قلم، ملتان، ۱۹۸۵ء، ص۔ ۲۴

۴۲ Yuval Noah Harari, Sapiens: A Brief History of Humankind, Signal Books, UK, 2014, p. 59.

۴۳ ساغر مشہدی، ماحی، مکتبہ اہلِ قلم، ملتان، ۱۹۸۵ء، ص۔ ۲۴

۴۴ ایضاً، ص۔ ۳۹

۴۵ ایضاً، ص۔ ۶۲

۴۶ ساغر مشہدی، غزل، مشمولہ: جب مرا ذکر ہو، مرتب: شار ساجد، مثال پبلشرز، فیصل آباد، طبع دوم، ص۔ ۱۰۴

۴۷ ایضاً، ص۔ ۱۰۴

۴۸ ایضاً، ص۔ ۱۰۳

۴۹ ایضاً، ص۔ ۱۰۵